Quarterly Research Journal "Al-Qudwah", Volume 02, Issue 04, Oct-Dec 2024

AL-QUDWAH
ISSN(P): 2959-2062 / ISSN(E): 2959-2054
https://al-qudwah.com

احکاماتِ مفقود الخبر(Missing Parson)کا فقہ اسلامی کے تناظر میں ایک مطالعہ

A Study of the Orders Concerning Missing Persons in the Context of Islamic Jurisprudence

ABSTRACT

Islam upholds the inherent dignity and rights of all human beings, regardless of religion, race or gender. Among these it's the fundamental rights is the right of life, alongside the freedom to enjoy physical, cultural, economic and political freedoms. In human society, a stable family system is established through internal family relations, mutual respect of rights and obligations between the family members. For the maintenance and sustainability of this system, it is necessary that the family system should be established in the light of God's orders so that there is no defect or fissure that disrupts it. However, due to the flawed nature of human thought, the family system designed under human guidance has been prone to chaos from time to time. This is the reason why there is a need for constant amendments and new interpretations in the laws related to family system. The word missing is derived from the Arabic word "F-Q-D". It applies to a person who is missing for any reason and whose life or death has not been definitively confirmed. In Islamic jurisprudence, the issue of missing al-Khabar has been debated since the first century AH, and has been discussed in detail by later jurists. Regarding Mafuqud al-Khobar, Islamic jurisprudence has given detailed rulings on various issues such as marriage, inheritance, guarantees, Qisas, demands for property and claims for intercession. All these rules are designed to protect a stable family and social order.

Keywords: *Orders, Missing person, Islamic Jurisprudence, Missing person, Study.*

AUTHORS

Hafeez Ullah*
PhD Scholar Department of Islamic Studies, Qurtuba University of Science & IT Peshawar:
hafizktk60@gmail.com

Prof. Dr. Mushtaq Ahmad**
Dean, Faculty of Social Sciences Qurtuba University of Science and Information Technology:
hodisl@qurtuba.edu.pk

Date of Submission: 27-10-2024
Acceptance: 12-11-2024
Publishing: 16-11-2024

Web: https://al-qudwah.com
OJS: https://al-qudwah.com/index.php/aqrj/user/register
e-mail: editor@al-qudwah.com

Correspondence Author:
Hafeez Ullah*PhD Scholar Department of Islamic Studies, Qurtuba University of Science & IT Peshawar.*

اسلام تمام انسانوں کو، چاہے وہ کسی بھی مذہب، نسل یا جنس سے تعلق رکھتے ہوں، زندہ رہنے کا حق عطا کرتا ہے۔ ہر فرد کو پیدائشی طور پر یہ حق حاصل ہے کہ وہ جسمانی، ثقافتی، معاشی اور سیاسی آزادیوں سے مستفید ہو۔ انسانی سماج میں داخلی خاندانی تعلقات، باہمی حقوق اور واجبات کی ادائیگی اور ذمہ داریوں کی پاسداری کے ذریعے ایک مستحکم خاندانی نظام قائم ہوتا ہے۔ اس نظام کی بحالی اور بقاء کے لیے ضروری ہے کہ خاندانی نظام خدائی احکامات کی روشنی میں مرتب کیا جائے تاکہ کوئی ایسی خامی یادراڑ پیدا نہ ہو جو اس کو درہم برہم کردے۔

تاہم، انسانی فکر کی ناقص فطرت کے باعث انسانی ہدایت نامے کے تحت وضع کردہ خاندانی نظام وقتاً فوقتاً انتشار کا شکار ہوتا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خاندانی نظام سے متعلق قوانین میں مسلسل ترمیمات اور نئی تعبیرات کی ضرورت محسوس کی جاتی رہی ہے۔

لفظ مفقود عربی زبان کے مادہ "ف-ق-د" سے نکلا ہے۔ اس کا اطلاق ایسے شخص پر ہوتا ہے جو کسی وجہ سے غائب ہو اور جس کی زندگی یا موت کی حتمی تصدیق نہیں ہو پائی ہو۔ فقہ اسلامی میں مفقود الخبر کا مسئلہ پہلی صدی ہجری سے زیر بحث رہا ہے، اور بعد کے فقہاء نے اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔

مفقود الخبر کے حوالے سے فقہ اسلامی میں مختلف مسائل جیسے زوجیت، میراث، ضمانتیں، قصاص، اموال کے مطالبات اور شفعہ کے دعووں پر تفصیل سے احکام دیے گئے ہیں۔ یہ تمام احکام ایک مستحکم خاندانی اور سماجی نظام کے تحفظ کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔

فقہ اسلامی میں مفقود الخبری کے سلسلے میں احکام کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

ایک تقسیم میراث کے حوالے سے، اور دوسرا اس کی زوجہ کے دوسرے مرد سے نکاح کرنے کے سلسلے میں، امام ابو حنیفہ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اس مسئلے میں متفق ہیں کہ مفقود الخبر کو اس کے مال کے بارے میں اس وقت تک زندہ تصور کیا جائے گا جب تک کہ اس کے ہم عمر و ہم عصر لوگ زندہ ہوں۔

چنانچہ وراثت کے احکام میں مرد کے مفقود الخبر ہو جانے کی صورت میں مرد کی اوسط عمر کا اعتبار کیا جائے گا۔ حضرت عثمانؓ سے بھی یہی قول مروی ہے۔ لیکن زوجہ مفقود کے نکاح ثانی کرنے کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مفقود الخبر کی زوجہ اس وقت تک عقد نکاح سے خارج نہیں ہو سکتی جب تک کہ شوہر کی موت کا یقینی علم نہ ہو جائے۔ بالفاظ دیگر مفقود الخبر کی زوجہ کا دوسرے مرد سے نکاح اس وقت تک جائز نہیں جب تک اس مفقود الخبر کے ہم عصر لوگ زندہ ہوں۔[1]

عصر حاضر میں ایک مجتہد ہمارے استاذ مولانا گوہر الرحمٰنؒ نے بھی متاخرین احناف کے فتوے کے ساتھ اتفاق کیا ہے کہ انہوں نے امام مالک کی رائے کو اختیار کیا ہے۔[2]

مولانا خالد سیف اللہؒ رحمانی مفقود کی بیوی کا فسخ نکاح کے بارے میں امام مالکؒ کی رائے سے موافقت کی ہے۔

مختصر یہ کہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی رائے یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے فوجیوں کو چار ماہ کے بعد لازماً گھر جانے کے حکم کو سامنے رکھتے ہوئے، نیز مدت ایلاء کے چار ماہ تک محدود کیے جانے کی حکمت کو مد نظر رکھتے ہوئے، مفقود کی بیوی کو ابتلائے معصیت کے اندیشہ کے پیش نظر صرف چار ماہ انتظار کا حکم دینا مناسب ہے۔[3]

---

[1] تنزیل الرحمن جسٹس، مجموعہ قوانین اسلام، 276:2

[2] گوہر الرحمن (2003ء)، تفہیم المسائل، (مردان، مکتبہ تفہیم القرآن، 2002ء)، 163:1، 377

[3] رحمانی خالد سیف اللہ، جدید فقہی مسائل، 98:3، 97

ڈاکٹر مفتی حافظ عبد الباسط خان کے خیال میں یہاں ایلاء پر قیاس درست نہیں۔ خاوند کی جدائی بصورت غیبوبت ایک ایسا غم ہے کہ عورت پر اس دوران ابتلائے معصیت کا اندیشہ نہیں ہے۔ لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ کم از کم مدت انتظار ایک سال ہی ہو۔[4]

ڈاکٹر مفتی حافظ عبد الباسط خان مزید لکھتے ہیں کہ مفقود کے فقدان کی وجہ اور سبب میں غور کی ضرورت ہے اگر اس کے فقدان میں اس کا اپنا قصور ہے تو بیوی دوسرے شوہر کو ملنی چاہئے اور اگر اپنا قصور نہیں مثلا ناجائز مقدمہ میں اندر ہو گیا تو بیوی اسے (شوہر اول) ہی ملنی چاہئے، اس تفصیل سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ وہ عورتیں جن کے خاوند جیلوں میں لمبی قید کاٹ رہے ہوں، فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق رکھتی ہیں۔

آج کے دور میں معروضی حالات پر غور کرنے سے کچھ ایسی نئی صورتیں بھی سامنے آجاتی ہیں جن میں فسخ نکاح کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہاں ہندوستان میں قائم دار القضاء کا ایک فیصلہ اور عصر حاضر میں فسخ نکاح کی ایک کثیر الواقع صورت ذکر کی جاتی ہے۔

اسلام نے عائلی نظام کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے کا پورا انتظام کیا ہے۔

لہذا وہ تمام ممکنہ صورتیں جو اس نظام کے مضبوط قیام کیلئے ضروری تھیں اسلام نے بہم پہنچائی ہیں۔ ضروری نہیں کہ ہر نکاح کامیاب ہو بلکہ بیشتر اوقات ایسی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں جہاں نکاح کے بندھن کا ٹوٹنا ہی فریقین کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔ مرد کے پاس اس بندھن کو توڑنے کے لئے طلاق کا حق موجود ہے۔ اگر وہ اپنے دیئے ہوئے مہر کو واپس لے کر طلاق دے تو خلع[5] کی گنجائش موجود ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ کئی ایسی صورتیں ہیں جہاں خلع بھی کارگر نہیں ہوتا۔ ایسی صورتیں درج ذیل ہو سکتی ہیں۔

1۔ نامرد ہونا 2۔ متعنت ہونا 3۔ مجنون ہو جانا 4۔ غائب غیر مفقود ہونا 5۔ مفقود الخبر ہو جانا

وہ عورتیں جن کے خاوند مقدم الذکر صورتوں میں سے کسی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، وہ بسا اوقات اپنی خواتین کو بہت تنگ کرتے ہیں وہ نہ تو خاتون کے ساتھ رشتہ ازدواج میں موجود ان رکاوٹوں کو دور کر کے زندگی خوشگوار بناتے ہیں اور نہ ہی خاتون کو نکاح کے بندھن سے آزاد کرتے ہیں۔ ادھر چونکہ ہندوستان میں فقہ حنفی رائج ہے اور فقہ حنفی میں مقدم الذکر صورتوں میں عورتوں کو گلو خلاصی میں شدید مشکلات ہیں نیز یہ کہ یہاں ہندوستان میں قضاء کا نظام بھی موجود نہیں ہے جبکہ فقہ حنفی میں فسخ نکاح قاضی کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔ پھر اس پر مستزاد یہ کہ بعض اطراف سے حضرت تھانوی کو ایسی خبریں بھی موصول ہوئیں کہ عورتوں نے ایسے بدبخت مردوں سے نجات کے لیے فقہاء اور اجتماعی اجتہادی اداروں نے ایڈز اور دیگر متعدی امراض میں مبتلا شوہر کی بیوی کو فسخ نکاح کا اختیار دیا ہے۔

حضرت تھانویؒ نے الحیلۃ الناجزۃ میں عورتوں کی گلو خلاصی کیلئے بعض موجبات فسخ میں امام مالکؒ کے قول کو اپنایا ہے۔ اس سلسلے میں فقہاء کا یہ قاعدہ برقرار رکھا گیا ہے کہ اگر عورت کو خاوند کی نامردی کا پہلے سے علم ہو تو بعد از نکاح اسے فسخ کا اختیار نہیں۔ بعض معاصر فقہاء ایسی صورت میں بھی حق فسخ کے قائل ہیں۔ میرے نزدیک یہ دوسری رائے درست ہے اور حالات وزمانہ کے مطابق ہے۔ اسی طرح اگر خاوند معمر ہو اور بیوی کو پہلے سے اس کے تعمر کا علم ہو تو فقہاء اس کے حق فسخ نکاح کو ختم کر دیتے ہیں۔ یہاں بھی بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ حق نفع برقرار رہنا چاہئے۔[6]

---

[4] خان عبد الباسط، جدید فقہی مسائل اور فقہائے پاک وہند کے اجتہادات، (لاہور، شیخ زید اسلامک سنٹر پنجاب یونیورسٹی، 2012ء)، 117

[5] خلع، طلاق الرجل زوجته على مال تبذله له ... (Divorce at the instance of the wife who pays a compensation) Khula آدمی کا اپنی بیوی کو مال کے بدلے طلاق دینا، محمد رواس قلعجی، معجم لغت الفقهاء، 1:199

[6] ایضاً

مفقود کی واپسی میں فقہاء کی رائے:

احناف نے مفقود کی واپسی کے متعلق امام بیہیقی کی روایت سے نقل کیاہے کہ سعید بن جبیرؒ سے مروی ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ وہ عورت پہلے شوہر کی زوجہ ہے خواہ دوسرے شوہر نے اس سے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو-" عن سعيد بن جبير عن على رضى الله عنه قال هى امراة الاول دخل بها إلا. اولم يدخل بها "[7]

احناف نے حضرت علی کا ایک دوسرا قول نقل کیاہے کہ شعبیؒ سے مروی ہے انھوں نے کہا کہ حضرت علی ابن ابی طالبؓ نے فرمایا کہ جب اس (عورت) کا پہلا شوہر لوٹ آئے تو اس مرد کے لئے کوئی خیار (option) نہیں ہے اور وہ عورت اس کی زوجہ ہے۔" سيار عن الشعبي قال قال على رضى الله عنه بن ابي طالب اذا جاء زوجها الاول فلا خيار له وهى امراته " [8]

حضرت علیؓ کے فیصلے سے متفق صحابہ میں حضرت ابن مسعودؓ نظر آتے ہیں۔ اور تابعین میں سے شعبیؒ، ابن ابی لیلیؒ، شبر مہؒ، عثمان البتیؒ، سفیان ثوریؒ، حسن بن حیؒ ابوحنیفہؒ محمد ابن ادریس شافعیؒ ابوسلیمانؒ وغیرہ شامل ہیں۔

مالکیہ کے حوالے سے ابن حزم الظاہری کے مطابق اگر اس کی شوہر واپس آئے اور اس عورت نے نکاح نہیں کی ہو تو وہ اس کی بیوی ہے اور شوہر واپس آئے اور اس نے دوسری نکاح کی ہو تو اس کو اپنی بیوی سے کوئی سروکار نہیں اگر دوسرے شوہر نے دخول کی ہو یا نہ۔ پھر امام مالک نے اس قول سے رجوع کیا فرمایا کہ وہ عورت شوہر اول بہتر ہے جب تک شوہر ثانی نے دخول نہ کی ہو ورنہ پہلے شوہر کو کوئی حق نہیں۔ فرمایا کہ یہ حکم غیر حربی مفقود کے لیے ہے۔[9] اس حوالے سے ابن حزمؒ نے ابن ابی لیلی سے نقل کی ہے۔

1۔ ابن ابی لیلیؒ نے کہا کہ میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ آپ نے اس شوہر مفقود کو، جس کی زوجہ نے نکاح ثانی کر لیا تھا اس کی زوجہ اور اس مہر کے درمیان جو اس شوہر نے اپنی بیوی کو دیا تھا، اختیار دیا۔ یعنی (یا تو وہ زوجہ کو واپس لے لے یا مہر لے لے)

" عن عبدالرحمن بن أبي ليلى قال شهدت عمر خير مفقوداً تزوجت امرأة بينها و بين المهر الذى ساقه اليها "[10]

2۔ علامہ ابن حزم نے دوسری چار سندوں بروایت ابن ابی لیلی حضرت عمرؓ کے مذکورہ بالا فیصلہ کو مختلف عبارتوں میں نقل کیاہے یہ عبارتیں حسب ذیل ہیں۔

پہلا یہ کہ ایک مفقود الخبر کی بیوی چار سال کے بعد حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے اس کی برادری والوں سے پوچھا جنھوں نے اس عورت کے بیان کی تصدیق کی چنانچہ حضرت عمر نے اس عورت کو حکم دیا کہ وہ اس بیان کے وقت سے چار سال انتظار کرے پھر اس عورت نے نکاح (ثانی) کر لیا۔ اس کے بعد اس کا شوہر (اول) آگیا۔ اس نے (حضرت عمرؓ سے) اس واقعہ کا ذکر کیا ابن ابی لیلیؒ نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے اس مرد کو مہر اور اس کی زوجہ میں سے ایک کو لینے کا اختیار دیا۔ اس شخص نے مہر لینا پسند کیا۔[11]

دوسرا یہ کہ ابن ابی لیلیؒ نے کہا کہ ایک عورت کا شوہر مفقود ہو گیا، تو اس نے چار سال تک انتظار کیا پھر اپنے معاملے کو حضرت عمرؓ کے حضور پیش کیا ۔ حضرت عمرؓ نے اس کو حکم دیا کہ جس وقت وہ اپنا معاملہ ان کے حضور لائی ہے اس وقت سے چار سال تک منتظر رہے اگر اس کا شوہر آجائے تو خیر

---

[7] ابو بکر البیہقی، سنن الکبریٰ، 7:444

[8] ابن حزم الظاہری، المحلیٰ، 10:138

[9] ایضاً، 323:9

[10] ایضاً، 134:10

[11] ایضاً، 134:10

ورنہ وہ عقد (ثانی) کرلے۔ چار سال گزر گئے اور اس عورت نے اس مدت میں اپنے شوہر کے بارے میں کچھ نہ سنا چنانچہ اس عورت نے نکاح (ثانی) کرلیا۔ پھر اس کا شوہر (اول) آگیا اور اسے یہ واقعہ معلوم ہوا تو وہ۔ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت عمرؓ نے اس فرمایا اگر تو چاہے تو ہم تیری بیوی کو تجھے دلا دیں اور اگر تو چاہے تو تیرا نکاح کسی دوسری عورت سے کرادیں اس مرد نے کہا کہ آپ میرا نکاح دوسری عورت سے کرادیجیے [12]

تیسری روایت یہ کہ اس خاتون کے متعلق ہے جو عمرؓ کے پاس آکر بتایا کہ حسب اطلاع اس کے شوہر کو جنات اچک کرلے گئے ہیں آپؓ نے حکم دیا کہ وہ (عورت) چار سال انتظار کرے۔ چنانچہ عورت نے چار سال انتظار کیا۔ اور پھر اپنے معاملے کو حضرت عمرؓ کے پاس لے گئی پس آپ نے اس عورت کو حکم دیا کہ وہ نکاح (ثانی) کرسکتی ہے۔ اس عورت نے نکاح (ثانی) کرلیا۔ اس کے بعد اس کا پہلا شوہر آگیا حضرت عمرؓ نے اس شوہر کو اس کی بیوی اور مہر کے انتخاب کا اختیار دیا اس مرد نے اپنی عورت کو پسند کرلیا۔ پس حضرت عمرؓ نے اس عورت اور اس شوہر ثانی کے درمیان تفریق کرائی اور عورت کو اس شوہر اول کی طرف لوٹا دیا۔[13]

امام مالکؒ نے حضرت عمرؓ کے اس فیصلے سے استناد کیا ہے۔"قال مالك وقد بلغني ان عمر بن الخطاب قال فَإِنْ تَزَوَّجَتْ وَلَمْ يَدْخُلْ بِهَا الْآخَرُ فَلَا سَبِيلَ لِزَوْجِهَا الْأَوَّلِ إِلَيْهَا قَالَ مَالِكٌ: وَهَذَا أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ فِي هَذَا " [14]

اس بارے میں حضرت عثمانؓ کا قول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اگر عورت نے کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلیا ہو اور اس کے بعد پہلا شوہر جو مفقود الخبر تھا واپس آجائے تو اس سے پوچھا جائے گا کہ وہ بیوی چاہتا ہے یا مہر کی واپسی چنانچہ اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔یعنی اگر اس نے مہر کو اختیار کرلیا تو اس کو مہر دلایا جائے گا اور اگر بیوی کی واپسی چاہی تو زوجہ شوہر ثانی سے تفریق کرا کے بعد عدت شوہر اول کی طرف لوٹا دی جائے گی اور اگر شوہر ثانی نے اس سے صحبت کی ہو تو شوہر ثانی سے مہر بھی دلایا جائے گا[15]

حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے آثار کے ساتھ ہی ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے مذکورہ بالا فیصلوں کی موافقت حضرت عثمانؓ، عبد اللہ ابن عمرؓ اور عبد اللہ ابن عباسؓ کے اقوال سے ہوتی ہے۔ یہ تینوں صحابی فقہاء صحابہ میں سے ہیں۔ تابعین میں حسن بصریؒ، خلاس بن عمروؒ، نخعیؒ، زہریؒ، مکحولؒ، عمر بن عبد العزیزؒ سعید بن مسیبؒ قتادہؒ، ابو الزنادؒ، ربیعہؒ اوزاعیؒ، لیث بن سعدؒ اور مالک بن انسؒ کے اسماء گرامی ملتے ہیں جو حضرت عمرؓ کے فیصلے کی موافقت کرتے ہیں۔

ڈاکٹر مفتی حافظ عبد الباسط خان لکھتے ہیں کہ مفقود الخبر کی بیوی کے بارے میں فقہاء کا کہنا ہے کہ مفقود کی واپسی کی صورت میں وہ بعض صورتوں میں شوہر اول کو ملے گی اور بعض میں شوہر ثانی کو۔

مفقود کی بیوی کے شوہر اول یا شوہر ثانی کو ملنے کے بارے میں مدار اس امر پر ہونا چاہئے کہ مفقود کا فقدان اگر اس کے اپنے قصور سے ہوا ہے تو بیوی دوسرے شوہر کو ملنی چاہئے اور اگر اس کے فقدان میں اس کا قصور نہیں ہے مثلاً ناجائز مقدمہ میں قید ہو گیا تو ایسی صورت میں وہ شوہر اول کو

[12] ایضاً،10:134

[13] ایضاً،10:134

[14] امام سحنون، مدونۃ الکبری،133:5

[15] أبو بكر البيهقي، سنن الکبری للبیھقی،7:446

ملنی چاہیئے۔ مگر انتظار کی مدت ہر صورت میں ایک سال سے کم نہیں ہونی چاہیئے۔ مؤلف کے نزدیک فی زمانہ عورتوں کو زدو کوب کرنا اور عورت کو مختلف حیلے بہانوں سے شدید دباؤ (Stress) کا شکار کر دینا بھی اسباب فسخ میں شامل ہونے چاہئیں۔[16]

اور اس مسئلے سے متعلق جزئیات پر غور کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ

(1) اگر عورت نے نکاح ثانی نہیں کیا اور شوہر آگیا تو مرد کا حق نکاح اس عورت پر قائم رہے گا اور وہ اپنی عورت کو حاصل کر سکتا ہے۔

(۲) اگر عورت نے نکاح ثانی کر لیا اور شوہر واپس آگیا اور اس عورت کا نکاح بحکم عدالت فسخ ہوا تھا تو مرد کا حق بالکلیہ ساقط ہو گیا اور وہ بیوی واپس نہیں لے سکتا۔ لیکن اس سلسلے میں (بطور مثال) ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند کی تقسیم کے نتیجے میں جو ہولناک فسادات رونما ہوئے جن میں لاکھوں انسانوں کا بے دریغ خون بہا، ان میں ایسے واقعات بھی پیش آئے ہیں کہ ہنگامہ دار وگیر گرم ہے، شوہر بیوی سے بچھڑ گیا، بیوی کی جان کسی طرح بچ گئی۔ شوہر کا پتہ نہیں۔ اغلب گمان یہ ہے کہ فساد میں کام آگیا۔ بیوی نے عدالت سے رجوع کئے بغیر دوسرا نکاح کر لیا، خلوت صحیحہ بھی ہو گئی۔ اب یکایک یہ معلوم ہوا کہ پہلا شوہر زندہ ہے اور وہ واپس بھی آجاتا ہے ایسی صورت میں کیا کیا جائے گا؟ اس مسئلے کی بھی دو صورتیں ہیں:

(1) یہ کہ عورت نے چار سال کی مدت سے قبل نکاح ثانی کر لیا۔

(2) یہ کہ عورت نے چار سال تک انتظار کر کے عدت گزار کر نکاح ثانی کیا۔ مگر دونوں صورتوں میں عدالت کا حکم حاصل نہیں کیا گیا۔ ایسی صورتوں میں کیا ہو گا؟

ان دونوں صورتوں میں نکاح اول "فسخ" قرار نہ دیا جائے گا کیونکہ عدالت سے تفریق کا حکم حاصل نہیں کیا گیا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ نکاح لازم" اور "حقیقی ہے جس کو ختم کرنے کا حق في الاصل مرد کا ہے اور دفع ضرر کی خاطر عدالت مرد کے قائم مقام کی حیثیت. سے نکاح فسخ کر سکتی ہے۔ مندرجہ بالآخر دو صورتوں میں چونکہ شوہر کا نکاح فسخ نہیں ہوا لہذا نکاح اول جو لازم اور حقیقی ہے قائم رہے گا اور محض مدت کا گذر جانا اور عورت کا نکاح ثانی کر لینا اس کو فسخ نہیں کر سکتا۔

مفقود کی موت کے متعلق حکم:

احناف کے نزدیک مفقود کی موت کے حکم کے حوالے سے مفقود کی عمر کا کوئی میعاد نہیں اور نہ ہی اس کی ہم عمر لوگوں کی موت کو معیار بنایا جائے گا بلکہ اس کا حکم اس وقت لگایا جائے گا کہ جب قاضی بعض قرائن اور شواہد کی بنیاد پر جیسا کہ اس کی ہم عمر انتقال کر چکے ہیں یہ فیصلہ دے دے تو مفقود کو مردہ تصور کیا جائے گا[17] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ احناف قاضی کے فیصلے کو فیصلہ کن سمجھتے ہیں۔ اس حوالے سے امام سرخسی کا قول بطور ثبوت نقل کرتے ہیں:"فالأليق بطريق الفقه أن لا يقدر بشيء؛ لأن نصب المقادير بالرأي لا يكون ولا نص فيه، ولكن نقول: إذا لم يبق أحد من أقرانه يحكم بموته اعتبارا لحاله بحال نظائره"[18]

یہ بات زیادہ منطقی ہے کہ مدت موت کا کسی چیز سے تعین نہ کیا جائے کیونکہ مقداروں کا تعین اندازے سے نہیں ہوتا اور نہ ہی اس (مفقود کی عمر کے تعین کے حوالے سے) میں کوئی نص آئی ہے، لیکن ہم کہتے ہیں کہ جب اس کے ہم عمر لوگوں میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچا ہو تو ان پر قیاس

[16] خان عبد الباسط، جدید فقہی مسائل اور فقہائے پاک وہند کے اجتہادات، 408، 117، 132، تا135

[17] سرخسی، المبسوط، 48:11

[18] ایضاً، 63:11

کرتے ہوئے اس کی موت کا حکم لگادیا جائے گا۔ متعدد حنفیہ نے معاملے کو عدالت کی رائے پر چھوڑنے والے قول کو ترجیح دی ہے اور بعض نے فتویٰ بھی اسی پر دیا ہے۔

شوافع کے حوالے سے وھبہ الزحیلی نقل کرتے ہیں کہ شافعیہ کا کہنا ہے کہ جو بندہ لاپتہ ہو جائے یا اس کا کوئی خبر نہ ہو اس کی موت کا فیصلہ نہیں ہو گا جب تک اس کی موت پر کوئی واضح ثبوت نہ ہو یا اس پر اتنا زمانہ گزر نہ جائے کہ اس سے زیادہ زندہ رہنے کا گمان نہ ہو، جیسا کہ ان کے ہم عمر لوگوں کا حال ہے۔[19] امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ شوافع میں راجح قول یہ کہ جب یہ اس بات ظن غالب ہو جائے کہ کوئی شخص اس زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا تو قاضی اس کی موت کا فیصلہ کر دے گا۔[20]

حنابلہ نے مفقود الخبر کے حوالے سے واضح کیا ہے کہ وہ ایسی حالت میں غائب ہوا ہو کہ اس کی زندہ بچ جانے کے امکانات ہو جیسا کہ سیاحت، تجارت، حصول علم اور حج کی ادائیگی امن کی حالت میں ہو، پس قاضی اس کی موت کا فیصلہ گمان غالب پر کرے گا موت کی مدت کا اندازہ لگانا قاضی پر منحصر ہے۔ اگر مفقود ایسی حالت میں غائب ہو جائے جس میں موت کا امکان غالب ہو، جیسا کہ جنگ یا قتل و غارت گری ہو یا جہاد کے میدان میں ہو یا ایسے فیصلے میں ہو جس کا صلحہ قریب ہو پھر واپس نہ آئے تو قاضی لاپتہ ہونے کے چار سال کی مدت گزر جانے کے بعد اس کی موت کا فیصلہ کر دے گا۔[21]

حنابلہ کے ہاں مفقود کی پہلی صورت میں ایک روایت یہ ہے کہ نوے سال کی عمر تک انتظار کیا جائے گا، اس کے بعد اسے مردہ تصور کیا جائے گا۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس کا دارومدار عدالت کی رائے اور اجتہاد پر ہے، وہ فیصلہ کرے گی کہ اس کے زندہ ہونے کے امکانات ہیں یا نہیں۔"[22]

جبکہ مالکیہ کے مطابق معروف قول ستر سال ہے

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی مفقود کے وفات کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ایک قول یہ ہے کہ اندازہ لگایا جائے گا۔ اور ایک قول کے مطابق اندازہ نہیں لگایا جائے گا۔ بلکہ قاضی اپنے اجتہاد سے کام لے گا۔

جہاں تک مالکیہ اور حنابلہ کا تعلق ہے: تو وہ کہتے ہیں کہ اندازہ لگایا جائے گا، اور مالکیہ کے نزدیک سب سے زیادہ صحیح (راجح) قول یہ ہے کہ ستر سال گزر جائیں۔ اور حنابلہ کے ہاں قابل اعتماد قول یہ ہے کہ نوے (۹۰) سال گزر جائیں،

حنفیہ کی ظاہری روایت اور شافعیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ (لاپتہ شخص کی وفات کا) اندازہ نہیں لگایا جائے گا۔ احناف کے نزدیک اس کی موت کا فیصلہ اس وقت کیا جائے گا جبکہ اس کے علاقے میں اس کے ہم عمر فوت ہو جائیں ان میں سے کوئی بھی باقی نہ رہے۔ اور شافعیہ کے نزدیک قاضی اپنے اندازے سے اجتہاد کرے گا بایں طور کہ اتنی مدت گزر جائے جس سے معلوم یا ظن غالب یہ ہو کہ وہ اس سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا۔

کب سے اسے لاپتہ شمار کیا جائے گا؟ جب غائب شخص کی وفات دلیل سے ثابت ہو جائے پھر اگر قاضی وفات کا فیصلہ کر دے تو اس تاریخ کو بنیاد بنا جائے گا جس کی حد بندی دلیل کے اعتبار سے کی گئی ہے۔

---

[19] الزحیلی وھبۃ، الفقہ الاسلامی وادلتہ، 411:8

[20] نووی أبوزکریا محیي الدین یحیی بن شرف، روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین، 34:6

[21] ابن جزي الكلبي الغرناطي، أبو القاسم، محمد بن أحمد بن محمد بن عبد اللهؒ (741ھ) القوانین الفقھیہ، ص. 221 تا 225، حازمي، أبو عبد الله، أحمد بن عمر بن مساعد، الرحبیۃ ص 76؛ ابن قدامہ، المغني، 321:6، 325؛ خطیب محمد الشربیني (216ھ)، مغني المحتاج، (بیروت لبنان، دار احیاء التراث العربی، 1992ء)، 397:3

[22] بہوتی، کشاف القناع، 460:10

امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہا اللہ کا قول ہے کہ اس کی موت کا فیصلہ اس کے لاپتہ ہونے کی تاریخ کی طرف لوٹا دیا جائے گا تو لہٰذا لاپتہ ہونے کی تاریخ سے اسے فوت شدہ سمجھا جائے گا تو جو لوگ فیصلے سے پہلے وفات پا گئے وہ اس کے وارث نہیں ہوں گے اور جو اس کے لاپتہ ہونے کی تاریخ کے وقت موجود تھے وہ مفقود کے وارث ہوں گے۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہا اللہ کہتے ہیں کہ جس تاریخ سے اس کی وفات کا فیصلہ ہوا ہے اس سے اسے مردہ تصور کیا جائے گا۔ لہٰذا جو لوگ اس کی موت کے فیصلہ سے پہلے وفات ہوئے ہوں تو مفقود ان کا وارث ہو گا اور اس کی موت کے فیصلہ کے وقت جو ورثاء موجود ہوں گے وہ اس کے مال کے وارث ہوں گے۔

مفقود کی بیوی کی نسب کا مسئلہ:

☆ اگر مفقود کی بیوی کے بطن سے اس کے دوسرے شوہر سے کوئی اولاد ہو جائے تو اس کے نسب کا معاملہ کیسے طے کیا جائے؟

اگر مفقود کی بیوی کو اپنے شوہر کی وفات کی خبر مل جائے اور وہ نکاح کر لے اور اس کے ہاں بچہ پیدا ہو جائے، پھر مفقود واپس آ جائے تو ایسی صورت میں اس بچے کا نسب اس کے دوسرے شوہر سے ثابت ہو گا۔ کیونکہ اس دوسرے شوہر کا اس عورت سے ازدواجی تعلق درست تھا، اور بچہ اسی کا ہوتا ہے جس کے ساتھ ازدواجی تعلق ہو۔[23]

عبید اللہ بن حرؓ نے اپنی قوم کی ایک لڑکی سے شادی کر لی، لڑکی کے باپ نے یہ نکاح کرایا تھا، پھر عبید اللہؓ حضرت معاویہؓ کے پاس چلا گیا اور اسے اپنی بیوی کے پاس سے گئے ہوئے ایک طویل مدت گذر گئی، ادھر لڑکی کا باپ فوت ہو گیا، اس کے گھر والوں نے اس کا نکاح ایک اور مرد سے جس کا نام عکرمہؓ تھا کر دیا۔ جب عبید اللہؓ کو یہ خبر ملی تو وہ آ کر اپنا مقدمہ حضرت علیؓ کے پاس لے گیا. حضرت علیؓ نے اس کی بیوی اسے لوٹا دی، اس وقت اس کی بیوی عکرمہؓ سے حاملہ ہو چکی تھی، آپ نے اسے ایک عادل آدمی کی نگرانی میں رکھ دیا، لڑکی نے پوچھا: " آیا میں اپنے مال یعنی مہر کی رقم کی زیادہ حقدار ہوں یا عبید اللہ بن حر؟ آپ نے جواب دیا کہ تو اس کی زیادہ حقدار ہے، یہ سن کر اس نے کہا" میں آپ کو گواہ بنا کر کہتی ہوں عکرمہ کے ذمہ میرا جو کچھ مال اور مہر ہے، وہ میں اسے دیتی ہوں" اس کے بعد وضع حمل ہو گیا تو آپ نے اسے عبید اللہ بن حر کے پاس واپس بھیج دیا اور نومولود کو اس کے باپ (عکرمہ) کے حوالے کر دیا۔[24]

عبد الرحمن الجزیریؒ نکاح کے بعد خاوند کے مفقود الخبر کی نسب کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے کسی عورت سے شادی کی اور اس کے بعد دو سال تک مفقود الخبر رہا پھر اس کے وفات پا جانے کی خبر آ گئی۔ بیوی نے عدت گزاری اس کے بعد شادی کر لی اور دوسرے خاوند سے اولاد پیدا ہوئی پھر پہلا خاوند واپس آ گیا تو اس دوران پیدا ہونے والے بچے پہلے خاوند کی طرف منسوب ہوں گے انھیں دوسرے کی اولاد قرار نہیں دیا جائے گا دوسرے خاوند سے طلاق ہو جائے گی اور وہ پھر پہلے خاوند کی بیوی ہو جائے گی۔[25]

اس بارے میں حنفیہ کی دلیل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے" الولد للفراش، وللعاهر الحجر "[26] (یعنی بچہ صاحب فراش کا اور بدکار کے لیے پتھر سنگساری ہے)۔ اس حدیث کو ایک جماعت نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے اور بخاری کی روایت میں "الولد لصاحب

---

[23] ابن قدامۃ المقدسي، المغنی لابن قدامہ، ج7، ص431

[24] أبو بكر البيهقي، سنن بیہقی، ج7، ص413؛ اختلاف ابی حنیفہ وابی لیلیٰ، ص184؛ ابن قدامۃ المقدسي، المغنی لابن قدامہ، ج7، ص431؛ قلعجی محمد رواس، انسائیکلوپیڈیا فقہ حضرت علیؓ، ج4، ص704

[25] جزیری عبد الرحمن، کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعۃ، (لاہور پنجاب، شعبہ مطبوعات محکمہ اوقاف، 1979ء)، 212:5

[26] ابن ماجة أبو عبد الله محمد بن يزيد القزويني، وماجة اسم أبيه يزيد (م273ھ)، سنن ابن ماجہ، (دار إحياء الكتب العربية، (1313ھ)، 647:1

الفراش "[27] آیاہے(یعنی بچہ صاحب فراش کاہے)چونکہ عورت عقد کے بعد خاوند کا فراش ہو جاتی ہے۔لہذا جو اس فراش کا مالک ہے لڑکا اسی کا ہو گا۔کیونکہ احکام کا مآخذ صاحب شریعت کی تصریح ہے۔واضح ہو کہ لفظ فراش کے معنوں میں علماء کا اختلاف ہے۔ایک جماعت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیاہے وہ کہتی ہیں:" اختصم سعد بن ابي وقاص و عبدالله بن زمعة الى رسول الله صلى الله عليه وسلم ، فقال سعد: يا رسول الله ابن اخي عتبة بن ابي وقاص ، عهد الى انه ابنه ، انظر الى شبهه وقال عبد الله بن زمعة : هذا اخي يا رسول الله ولد على فراش ابى ، فنظر رسول الله صلى الله عليه وسلم الى شبهه ، فرأى شبهاً بينا بعتبة ، فقال : هولك يا عبدالله بن زمعة، الولد للفراش، وللعاهر الحجر ، واحتجبى منه يا سودة بنت زمعة قال ، فلم يرى سودة قط "[28] ۔

یعنی سعد بن ابی و قاصؓ اور عبد اللہ بن زمعہؓ نے اپنا باہمی نزاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا سعد نے کہا، یا رسول اللہ میرے بھتیجے عتبہ بن ابی و قاص نے قسم کھا کر مجھے کہاہے کہ "میں ابو و قاص کا بیٹاہوں۔ان کے ساتھ مشابہت آپ ملاحظہ فرماسکتے ہیں۔عبد اللہ بن زمعہ نے کہا کہ یا رسول اللہ یہ تو میر ابھائی ہے میرے باپ کی بیوی سے پیدا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی صورت کو ملاحظہ فرمایااور دیکھا کہ عتبہ کو ان سے یعنی عبد اللہ بن زمعہ سے واضح مشابہت ہے،تب فرمایا کہ اے بندے عبد اللہ بن زمعہ !یہ آپ کا بھائی ہے "بچہ صاحب فراش کا اور بدکار کے لیے پتھر سنگساری ہے "بہر حال اے سودہ بنت زمعہؓ!تو ان سے پردہ کر اس کے بعد انھوں نے کبھی سودہ کو نہیں دیکھا۔

واضح ہو کہ یہ سودہ وہی ہیں جو ام المؤمنین رضي اللہ عنھا یعنی ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں واضح ہو کہ حنفیہ صرف عقد نکاح ہو جانے کی بناء پر نسب قائم کر دیتے ہیں ان کا کہنا کہ نسب ثابت کرنے کے لیے محض گمان کافی ہے بلکہ وہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے ایک عورت سے شادی کی جو مغرب میں ہے اور خود مشرق میں ہے شادی کے بعد چھ ماہ کے عرصہ میں بچہ پیدا ہوا تو اس بچہ کو اسی کی طرف منسوب کیا جائے گا۔اور محض عقد کی بناء پر اس بچے کے ہو جانے سے انکار کرنے کی مخالفت کی ہے اور امکان مباشرت کا تسلیم کرنا لازمی قرار دیا ہے۔اور اس میں شک نہیں کہ فرائض زوجیت کو ثابت کرنے کے لیے صرف نکاح کا ہو جانا کافی ہے۔

لیکن ابن تیمیہؒ کا خیال یہ ہے کہ ثبوت نسب کے لیے ضروری ہے کہ حقیقی معنوں میں مباشرت کا ہونا معلوم ہو۔یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ محض امکان مباشرت کی بناء پر شریعت (بچہ کا نسب ایسے شخص کے ساتھ جوڑ دے جس نے نہ تو اپنی بیوی کے ساتھ زفاف کیا ہو نہ مباشرت کی ہو اور نہ دونوں اکٹھے ہوئے ہوں؟

حنفیہ کا جواب یہ ہے کہ حقیقی طور پر مباشرت کا معلوم ہونا دشوار ہے اگر صحت نسب کا انحصار اسی پر رکھا جائے تو بہت سے نسلی رشتے باطل ہو جائیں گے شریعت نے نسب کے بارے میں بڑی احتیاط سے کام لیاہے اور ثبوت نسب کے لیے محض امکان مباشرت کو پیش نظر رکھنا ہی احتیاط کی مناسب صورت ہے۔[29]

شافعیہ،مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ صورت مذکورہ بالا میں اس اولاد کو عورت کے دوسرے خاوند کی طرف منسوب کیا جائے۔کیونکہ یہ امر ثابت شدہ ہے کہ اس شخص نے اس عورت سے شادی کی اور مباشرت ہوئی اور عورت اس کی زوجیت میں رہی یہی رائے قرین عقل ہے اور بہر حال اثبات نسب کے لیے یہ ضروری کہ وہ بچہ نکاح صحیح کے بعد گو بقول ائمہ ثلاثہ نکاح فاسد ہی ہوا ہو اور مباشرت کا موقع مل چکنے کے بعد حمل کی کم

---

[27] بخاری،الجامع الصحیح البخاری،(6750)،باب: الولد للفراش، حرة كانت أو أمة

[28] ایضاً،(6749)

[29] جزیری عبد الرحمن، کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعۃ،5:215،213

سے کم مدت چھ ماہ گزرنے پر پیدا ہوا ہو۔ احناف کے نزدیک یہ ہے کہ عقد نکاح کے بعد اتنی مدت گزر چکی ہو خواہ دونوں اکٹھے نہ رہے ہوں۔ ابن تیمیہ کے نزدیک یہ ہے کو حقیقی طور پر ان کا مباشرت کرنا معلوم نہ ہو۔ وقت کی اس قید پر سب کا اتفاق ہے "پس اگر اس عرصہ سے پہلے بچہ پیدا ہو گیا تو قطعی طور پر وہ بچہ عقد سے. پہلے کا ہے لہذا اسے کسی شخص کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا اور یہ سب کہتے ہیں کہ کسی بچے کو ایک سے زیادہ اشخاص کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔[30]

زوجہ غائب غیر مفقود

غائب غیر مفقود کی بیوی کو بھی یہی حکم ہے کہ قاضی کی عدالت میں دعوی دائر کرے۔ پھر مندرجہ ذیل باتیں گواہی کے ساتھ ثابت کرے۔ ایک یہ کہ متعلقہ غائب کے ساتھ اس کا نکاح ہو چکا تھا۔ دوم یہ کہ وہ اسے نان نفقہ فراہم نہ کر سکا۔ سوم یہ کہ اس دوران فقدان نان نفقہ ارسال نہیں کیا۔ چہارم یہ کہ نہ اپنے پیچھے اس کا انتظام کر گیا۔ پنجم یہ کہ اس نے اپنا حق نفقہ معاف نہیں کیا۔ پھر ان تمام باتوں پر قسم کھائے۔ پھر اگر کسی عزیز رشتہ دار نے اس کی کفالت کی ذمہ داری لے لی تو صحیح ہے ورنہ قاضی دو عادل آدمیوں کو اس غائب غیر مفقود کے پاس بھیجے جو اسے پیغام دیں کہ وہ بیوی کو بلائے یا خود آئے یا نفقہ وغیرہ کا انتظام کرے ورنہ طلاق دے دے۔ پھر اگر وہ نائب ان میں سے کسی صورت پر بھی راضی نہ ہو تو قاضی ایک مہینہ کی مہلت دے گا۔ ایک مہینہ کے اندر اندر اگر عورت کی شکایت رفع ہو گئی تو صحیح ہے ورنہ عورت قاضی کی دوبارہ درخواست پر کہ وقت گزر گیا اور میری شکایت برقرار ہے، تفریق کر دے گا ہے۔[31]

حنفیہ، شافعیہ اور ظاہریہ مذاہب فکر کی رائے مرد کے غائب (غیر مفقود) ہو جانے کی بناء پر عورت کے حق تفریق کے قائل نہیں ہیں۔ لیکن مالکیہ، حنبلیہ کے نزدیک عورت کو حق حاصل ھے-زیدیہ فرقے کے بعض اصحاب اور جعفریہ فرقے کے بعض متاخرین علماء کے نزدیک عورت کو ایسی صورت میں طلب تفریق کا حق حاصل ہے۔[32]

تفریق کے حق کی بنیاد:

مرد کے غائب (غیر مفقود ہو جانے کی بناء پر عورت کے تفریق طلب کرنے کے حق کی غرض عورت کو ضرر سے محفوظ رکھنا ہے۔

مدت کا تعین:

اس سلسلے میں مرد کے غائب رہنے کی مدت کے تعین کا اجتھادی نوعیت کا حامل ہے اور اس سلسلے میں زمان و مکان کے انقلابات اور حالات و واقعات کے پیش نظر مدت کا تعین کیا جا سکتا ھے احمد بن حنبل کے نزدیک شوہر کے چھ ماہ تک بلا عذر غائب رہنے صورت میں عورت کو حق تفریق حاصل ھے۔ مالکیہ مذہب کی رو سے تیر سال اور بعض روایات کے مطابق ایک سال کی مدت مقرر کی گئی ہے۔[33]

البتہ یہاں ایک اور مسئلہ بھی قابل تحقیق ہے۔ مالکیہ کے ہاں سوائے اس صورت کے کہ عورت نے جب دوسرے مرد سے نکاح کیا تھا تو اس مرد کو علم ہی نہیں تھا کہ اس کا پہلا خاوند غائب ہو گیا تھا، باقی تمام صورتوں میں تمام مرحلوں میں پہلا خاوند جب بھی آ جائے، عورت کو اسی کے پاس واپس جانا ہو گا۔ حنفیہ کے ہاں تو یہ متذکرہ بالا شرط بھی نہیں ہے۔ یعنی جب بھی شوہر اول آ گیا، شوہر ثانی کو اس کے مفقود ہونے کا علم تھا یا نہیں

---

[30] ایضاً، 5:215، 213

[31] ایضاً، 77، 78

[32] امام شافعی، کتاب الام، (5204، مطبوعہ مطبوعہ مصر، 1991ء)، 5:239

[33] جواد مغنیۃ، الفصول الشرعیۃ علی مذھب الامیہ، (بیروت، 1370ھ) ص 80

عورت شوہر اول کے پاس جائے گی۔[34] مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی رائے یہ ہے کہ چونکہ مفقود کی بیوی اس کے فقدان کے باعث طویل عرصہ تک نفقہ اور جنسی حق سے محروم رہی ہے، نیز یہاں مفقود سے اس کی جدائی قاضی کے ذریعے ہوئی ہے اور ہر جدائی جو قاضی کے ذریعے ہو وہ یا تو فسخ ہوتی ہے یا طلاق بائن، لہذا یہاں مفقود کو یہ سزا ضرور ملنی چاہیے کہ وہ بیوی سے بہر حال محروم رہے۔ کیونکہ وہ طویل عرصہ تک غائب رہ کر بیوی کو کئی پہلوؤں سے اذیت پہنچا چکا ہے یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے فقہاء ازراہ سزا نشہ میں مبتلا شخص کی طلاق کو واقع کر دیتے ہیں۔[35]

مفقود بچے کا حکم

علامہ ابن رُشد اپنی کتاب بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد میں گم شدہ بچے کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ گم شدہ بچہ لقطہ اٹھانے والے، لقطہ اٹھانے اور گم شدہ بچہ کے احکام سے متعلق یہ بحث ہے۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو ضائع ہو رہی ہو اور اس کا کوئی محافظ نہ ہو اس کا اٹھانا فرض کفایہ ہے۔ غلام کی ملکیت کا دعوی کرنے کے اندیشہ سے گواہ قائم کرنے کا وجوب اختلافی مسئلہ ہے۔ اور گم شدہ بچہ کے بارے میں یہ اختلاف در اصل لقطہ پر گواہی قائم کرنے میں اختلاف کی بنیاد پر ہے۔ لقیط کم سن نابالغ گم شدہ بچہ کو کہتے ہیں اگر اس کے اندر تمیز کی صلاحیت ہے تو مسلک شافعیؒ میں اس بارے میں تردد پایا جاتا ہے۔ ایسے بچہ کو بطور لقطہ اٹھانے کے لیے ضروری ہے کہ وہ آزاد ہو، عادل ہوا اور نیک ہو۔ غلام اور مکاتب کو یہ حق نہیں ہے۔ کافر کسی کافر بچہ کو لے سکتا ہے مسلم کو نہیں۔ کیوں کہ مسلم پر کافر کو ولایت حاصل نہیں ہے۔ مسلم کافر کو لقطہ لے سکتا ہے اور فاسق اور فضول خرچ سے چھین سکتا ہے۔ لقطہ لینے والے کے لیے مالدار ہونا شرط نہیں ہے۔ لقطہ لینے والے کا نفقہ اس فرد پر واجب نہیں ہے جسے اس نے لقطہ لیا ہے۔ اور اگر اُس نے خرچ کیا ہے تو وصول نہیں کرے گا۔ ایسے بچے کو مسلمان تصور کیا جائے گا اگر دارالاسلام میں وہ ملا ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک باپ کے مذہب کے مطابق بچہ کا مذہب متعین ہو گا اور امام شافعیؒ کے مطابق والدین میں سے جو مسلمان ہے اس کا مذہب نافذ ہو گا۔ ابن وہب مالکیؒ کی یہی رائے ہے۔ گم شدہ بچہ کے بارے میں یہ اختلاف بھی ہے کہ وہ لقطہ لینے والے کا غلام ہے۔

دوسرا قول ہے کہ وہ آزاد ہے اور لقطہ لینے والے سے اُس کا ولا کا رشتہ قائم ہو گا۔ تیسرا قول ہے کہ وہ آزاد ہے اور اس کی ولایت مسلمانوں کے ساتھ ہو گی یہ امام مالکؒ کی رائے ہے اور اس کی ولایت اس کے ساتھ ہو گی جس کے حق میں اصول کی شہادت ہو گی الا یہ کہ کوئی حدیث ثابت ہو اور وہ اصول کو مخصوص کر دے جیسے اللہ کے رسول کا قول ہے:

"تَرِثُ المرءةُ ثلاثة: لقيطَها وَعَتِيقَهَا وَوَلَدَهَا الَّذِي لَاعَنَتْ عَلَيْهِ"عورت تین لوگوں کی وارث ہو گی اپنے گم شدہ بچہ کی، اپنے آزاد کردہ بچہ کی اور اپنے اس الاد کی جس پر اس نے لعان کیا ہو۔[36]

خلاصہ البحث

فقہ اسلامی کے تناظر میں "احکاماتِ مفقود الخبر "(یعنی لاپتہ شخص کے احکامات) کا مطالعہ اسلامی شریعت میں ان افراد کے مسائل کا جائزہ لیتا ہے جو کسی حادثے، جنگ، یا کسی دیگر ناگہانی وجہ سے لاپتہ ہو جاتے ہیں۔ اسلامی فقہ میں مفقود الخبر سے متعلق مختلف قانونی اور شرعی مسائل پر غور کیا جاتا ہے، جن میں اس شخص کی موت کا تعین، اس کی بیوی کے نکاح کا حکم، وراثت کا مسئلہ، اور مال و جائیداد کے تصرفات شامل ہیں۔

---

[34] ایضاً، ص 67، 68

[35] رحمانی خالد سیف اللہ، جدید فقہی مسائل، 3:98، 99

[36] ابن رُشد، بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد، لاہور، دار التذکیر رحمن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، (2011ء)، ص 686

1. **موت کا تعین** : اگر کوئی شخص طویل عرصے تک لاپتہ رہے اور اس کے زندہ ہونے یا موت کا کوئی واضح ثبوت نہ ملے تو اس کی موت کا فیصلہ کیسے کیا جائے؟ مختلف فقہاء نے اس کے لیے مختلف مدتیں مقرر کی ہیں، جیسے کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک نے مختلف نظریات پیش کیے ہیں۔
2. **نکاح کا حکم** : مفقود الخبر کی بیوی کے نکاح کا مسئلہ بھی اہم ہے۔ اگر شوہر لاپتہ ہو جائے اور اس کے زندہ ہونے یا موت کا پتا نہ چلے تو بیوی کتنی مدت تک انتظار کرے گی اور کیا اس کے لیے کسی اور سے نکاح کرنا جائز ہو گا؟
3. **وراثت کا مسئلہ** : مفقود الخبر کی جائیداد اور وراثت کے معاملات بھی زیر بحث آتے ہیں۔ اس شخص کی وراثت کا فیصلہ کیسے ہو گا؟ اس کے ورثاء کو اس کی جائیداد کب اور کس طرح تقسیم کی جائے گی؟
4. **مال و جائیداد** : مفقود الخبر کے مال و جائیداد کے انتظامات کیسے کیے جائیں؟ کیا اسے کسی ولی یا قریبی رشتہ دار کے سپرد کیا جائے گا یا کسی سرکاری انتظامیہ کے تحت رکھا جائے گا؟

اس موضوع کا مطالعہ اسلامی قانون کے ساتھ ساتھ معاشرتی اور قانونی پہلوؤں کو بھی شامل کرتا ہے تاکہ لاپتہ افراد کے حوالے سے ایک متوازن اور جامع حل پیش کیا جا سکے۔